ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی قرآنی خدمات

* ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۲۰۰۲ء۔۱۹۰۸ء) ایک ایسا معروف نام ہے جس سے دنیائے اسلام کا ہر محقق اور دانشور بخوبی واقف ہے، یہ وہ عظیم شخصیت ہے جس نے درویشی میں دین اسلام کی عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ ۹۵ برس کی عمر تک پیہم دینِ اسلام کے حقائق کی تقدیم میں ہمہ تن مصروف رہے۔ قرآنیات، تدوین حدیث اور اسلامیات کے سلسلے میں معاندین اسلام کے بہت سے شکوک وشبہات رفع کیے، تحقیق وتصنیف کے علاوہ اشاعتِ اسلام کے باب میں آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں، بیشمار لوگوں کو آپ کے توسط سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ اسی طرح عیسائی حلقوں میں اپنی تقاریر کے ذریعہ دینِ اسلام کے سلسلے میں پیدا ہو جانے والے غلط احساسات کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر صاحب کو مختلف زبانیں سیکھنے کا شدید اشتیاق صرف اس لیے تھا کہ مختلف اقوام وملل اور مختلف نظریات کے حاملین تک دین اسلام کی صداقت کو بآسانی پہنچایا جا سکے۔ ڈاکٹر صاحب ۲۵ زبانوں سے واقف تھے۔ عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانوں پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں گرانقدر علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ اسی طرح دنیا کی مختلف زبانوں میں موجودہ اسلامی مخطوطات سے ڈاکٹر صاحب باخبر تھے۔ تصنیف وتالیف کا مشغلہ ڈاکٹر صاحب کو اس قدر عزیز تھا کہ مختلف سربراہان مملکت اور سلاطین کی درخواستوں کو درخور اعتناء تصور نہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی مختلف الجہات خدمات کا ایک قابل ستائش پہلو یہ تھا کہ وہ اتحاد بین المسلمین کے زبردست مبلغ تھے۔ خود تو شافعی المسلک تھے لیکن اسلام کی ہمہ گیریت کو دیکھتے ہوئے کبھی انہوں نے کسی دوسرے مسلک کے پیروکاروں کو بنظر تحقیر نہیں دیکھا۔ خطباتِ بہاولپور میں بہت سے مسلکی سوالات آپ سے کیے گئے اور آپ نے ان

* ریڈر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، انڈیا۔

کے جوابات اس طرح علمی انداز میں دیئے کہ سائلین کو جس طرح تسکین و تسلی حاصل ہوئی۔ اسی طرح اتحاد بین المسلمین کا شیرازہ بکھرنے سے محفوظ ہو گیا۔

مذکورہ چند تمہیدی کلمات کے بعد اپنے اصل موضوع پر آنا چاہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب کی مختلف تصانیف مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔ چونکہ اسلامیات کے ماہر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مرجع اول قرآن کریم کے مباحث اور اس کی حکمتوں سے واقف نہ ہو، ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں قرآنی رنگ ابھرا ہوا نظر آتا ہے، قرآنیات سے دلچسپی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، کئی پشتوں سے یہ خاندان اسلامیات میں علم و تحقیق کا امین رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ قرآنیات بھی اس کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ قطب کوکن حضرت مخدوم علی مہائمی (۸۳۵ھ۔۷۷۶ھ) ڈاکٹر صاحب کے اجداد میں سے تھے، جن کی مختلف تصانیف علمی حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف، مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ (۱)

حضرت مہائمی کی تفسیر ''تبصیر الرحمان و تیسیر المنان'' اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر امتیازی خصوصیت کی حامل ہے (۲) ڈاکٹر صاحب کے پردادا مولوی محمد غوث شرف الملک (متوفی ۱۲۳۸ھ) اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں ۳۰ سے زائد کتابیں تصنیف کیں (۳) جن میں مشہور تصنیف ''نثر المرجان فی رسم نظم القرآن'' بھی شامل ہے۔ جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ (۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے دادا قاضی محمد صبغۃ اللہ بدرالدولہ (متوفی ۱۲۸۰ھ) کے علمی اکتسابات قابل ذکر ہیں اردو، عربی اور فارسی زبانوں پر انہیں دستگاہ حاصل تھی۔ (۵) اردو میں قرآن کریم کی ایک تفسیر ''فیض الکریم'' (۶) کے عنوان سے لکھنے کا آغاز کیا۔ لیکن اس کی تکمیل سے قبل اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ بعد میں ان کے صاحبزادے مفتی محمد سعید نے تفسیر کے کچھ حصے شائع کیے۔

مذکورہ گفتگو سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جس نے ہر دور میں قرآنی علوم و فنون کی خدمات کو اپنا معیار و محور بنا رکھا تھا۔ اسی مبارک سلسلے کی ایک قابل قدر کڑی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ہیں۔ جنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآنیات کے میدان میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے یورپی زبانوں، فرانسیسی میں مکمل، جرمن اور انگریزی میں (جزوی)

قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، اس کے علاوہ ''القرآن فی کل لسان'' کے عنوان سے ایک غیر معمولی ببلیوگرافی تیار کی اور آپ کی قرآنی خدمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنی مختلف تصانیف میں مختلف امور کی تائید اور تردید کے لیے قرآن کریم سے استدلال کیا۔ یہ چیز ''خطباتِ بہاولپور'' میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ انہی چیزوں کی بنیاد پر کچھ کہنے کی کوشش کی جائے گی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی خدماتِ قرآنیات کا حق اس مقالے میں ادا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے جرمن اور انگریزی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے مجھے دستیاب نہیں ہوئے، اسی طرح ''القرآن فی کل لسان'' بھی میری رسائی سے باہر ہے۔ البتہ دوسرے حوالوں سے مجھے جو معلومات ان مذکورہ علمی خدمات کے متعلق حاصل ہوئی ہیں۔ انہیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

❶ فرانسیسی ترجمہ قرآن کریم

سب سے پہلے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کریم سے اس بحث کا آغاز کیا جائے۔ یہ وہ ترجمہ قرآن ہے جسے قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے علوم قرآن کے شائقین کے ہاتھوں تک پہنچایا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن سے قبل ۲۶ فرانسیسی تراجم قرآن منظر عام پر آ چکے تھے، اور ۱۹۸۸ء تک فرانسیسی تراجم ستّر (70) سے زائد زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ان مترجمین میں مسلمان اور مستشرقین دونوں شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرانسیسی ترجمہ کے تعارف کے لیے اگست ۱۹۵۹ء کے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک معلوماتی مقالہ رقم کیا۔ جس میں سب سے پہلے مسلمانوں کی یورپ کی آمد پر روشنی ڈالی گئی، اس کے بعد مختلف انداز کے پائے جانے والے فرانسیسی تراجم قرآن پر اظہار خیال کیا گیا اور بتایا کہ ان میں کچھ تراجم مکمل ہیں۔ کچھ چند سورتوں پر مشتمل ہیں اور کچھ سورتوں اور آیات کے تراجم مختلف کتابوں میں دستیاب ہیں

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس مقالے میں جن ۲۶ تراجم کا تعارف کرایا تھا، اس میں بعض غلط فہمیوں کے در آنے اور کچھ نئے تراجم کے منظرِ عام پر آ جانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نومبر ۱۹۸۸ء کے ''معارف'' میں تراجم قرآن پر ایک اور مقالہ سپرد قلم کیا۔ دونوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ اہم امور کی طرف توجہ دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کا ایک جامع تعارف کرایا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے پہلے مقالہ میں ''جولیش انسائیکلو پیڈیا'' کے حوالے سے بتایا تھا کہ فرانسیسی کا سب سے اولین ترجمہ قرآن ایک یہودی عالم ''دون ابراہام'' (Don Abraham) نے کیا جو سورۃ معارج کے تراجم آیات پر مشتمل تھا، لیکن اپنے دوسرے مقالہ میں تصحیح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک دوست کی تحقیقی دریافت کے توسط سے بتایا کہ یہ سورہ معارج کا ترجمہ نہیں بلکہ یہ ایک عربی ''معراج نامے'' کا ترجمہ اسپینی زبان میں کیا گیا تھا۔ جس کو بعد میں لاطینی اور فرانسیسی زبان میں منتقل کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تازہ ترین معلومات کے مطابق سب سے قدیم ترجمہ قرآن مشائیل بوڈے کا ہے (۱۶۴۵ء۔ ۱۵۸۰ء) یہ مستقل ترجمہ قرآن نہیں ہے بلکہ بوڈیئے نے اپنی مشہور کتاب ''ترکوں کے مذہب کی تاریخ'' میں بیشمار آیات کا کامل یا ملخص مفہوم پیش کیا تھا۔

اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں ''سیورودریئے'' نے قرآن کریم کا مکمل ترجمہ پیش کیا، جسے مختلف یورپی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ ۱۷۸۲ء میں ساواری نے دو جلدوں میں قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، جس کی ادبی حیثیت کا اعتراف تو ضرور کیا گیا لیکن تراجم کی صحت نا قابل اعتماد ہے۔ اس کے بعد فرانس کے مشہور عربی عالم رینو نے اپنی کتاب ''عربوں کا فرانس پر حملہ، پھر وہاں سے سوئٹزرلینڈ اور اٹلی پر'' میں متعدد آیات اور سورتوں کے تراجم دیئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے گارسئین دتاسی کی کتاب ''قرآن سے ماخوذ اسلامی عقائد وفرائض'' کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے اپنی کتاب میں متعدد سورتوں کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ پانچویں نمبر پر ''کازیمیرسکی'' کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ جامعہ ازہر میں عربی کا پروفیسر تھا۔ ۱۸۴۰ء میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ کیا۔ جو دیگر فرانسیسی تراجم کے مقابلے میں عمدہ ہے۔ آگے چل کر بوڈیئے نے اسی پر نظر ثانی کر کے ایک نیا ایڈیشن شائع کیا، ڈاکٹر صاحب نے ''مارسل'' کے ترجمہ قرآن کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ دستیاب نہیں ہے، اسی طرح ایک دوسرے ''مارسل'' نے قرآنی سورتوں اور آیتوں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے گالان، لبوا، سینٹ، ایلیر، پاریس کے تراجم اور کتب خانہ عام میں فرانسیسی ترجمہ قرآن اور الجزائر کے شہر ''عنابد'' میں فقہ اسلامی پر آنے والی کتاب (میں قرآن کریم کی مختلف آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں) کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ تمام تراجم میری نظر سے نہیں گذرے اس کے بعد فاطمہ زاہدہ کی ایک کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اس میں صرف سورۃ فاتحہ کا ترجمہ شامل ہے، انہی تراجم میں ''ودارمونتے'' کا ترجمہ قرآن بھی شامل ہے جو حد درجہ ناقص ہے۔ ''ماردروس'' نے

۱۹۲۶ء میں باسٹھ (۶۲) سورتوں کا ترجمہ پیش کیا۔ ۱۹۳۱ء میں احمد الاعمش اور ابن داؤد نے ترجمہ قرآن شائع کیا جو بے حد مقبول ہوا، ۱۹۴۶ء میں پیل اور احمد تیجانی نے اپنی مشترکہ کاوشوں سے قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا۔ ۱۹۵۷ء میں ''ریڈی بلاشر'' نے قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، اسی طرح ۱۹۵۱ء میں طلبہ کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ''آلاری بے ریس'' نے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا ترجمہ پیش کیا۔ ترکی عالم محمود مختار پاشا نے ''حکمتِ قرآنی'' کے عنوان سے مختلف قرآنی آیات کو اس میں شامل کیا۔ اسی کڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک تونسی مسلمہ قدیرہ نے نہایت اہتمام سے ۱۹۵۶ء میں آرٹ پیپر پر قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا۔ ۱۹۵۶ء ہی میں آلاری محمد مرسیر نے چند منتخب آیات کے تراجم شائع کیے۔ آخر میں قادیانی عالم بشیر الدین محمود کی اس خواہش کا ذکر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ قرآن کریم پیش کرنے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کی اشاعت کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔

مذکورہ معلومات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات بغیر کسی تردد کے کہی جا سکتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے انہیں یکجا کرنے میں بڑی دقتیں اٹھائی ہوں گی۔ مذکورہ فرانسیسی تراجم کا تعارف کراتے ہوئے دو چار جملوں میں ان پر اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کے تحقیقی مزاج اور علمی انداز کی دین ہے، نیز اس سے یہ بھی ترشح ہوتا ہے کہ وہ فرانسیسی کی ادبی اور لغوی خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ پیرس کے مسلمانوں کو ان تراجم کی خوبیوں اور ان میں کی جانے والی منافقتوں اور اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ غالبًا ان کا یہی وہ اسلامی جذبہ ہے جس نے انہیں فرانسیسی ترجمہ قرآن پر آمادہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اولاً اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے ایک گمنام ناشر کی درخواست پر ساواری کے ترجمہ قرآن پر نظر ثانی کی۔ جو دو ہفتوں میں مکمل ہوئی۔ ناشر نظر ثانی شدہ نسخہ لے تو گیا لیکن آج تک اس کا اور اس نسخے کا پتہ نہیں ہے۔ چونکہ اللہ کو منظور تو یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب سے اس سے عظیم تر کام لیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب ایک ناشر کی درخواست پر ترجمۂ قرآن کے لیے کمر بستہ ہو گئے دیگر تراجم قرآن کی موجودگی میں ایک ایسے ترجمہ قرآن کی ضرورت تھی جس کا مرتب ایسا مسلم ہو جسے عربی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان پر پورا عبور ہو لیکن ایسے مسلم مترجم کی تلاش ناممکن تھی۔ یہ کام دراصل ایک مسلم عربی دان اور ایک فرانسیسی ادیب کے اشتراک عمل سے ممکن تھا۔ چنانچہ اس کے لیے ''کارموسیولیتوری'' کی خدمات حاصل کی گئیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے رفیقِ کار کو تھوڑا تھوڑا کر کے بھیجتے گئے اور وہ زبان و بیان کی نزاکتوں کے پیش نظر

اصلاحات کرکے واپس بھیجتے رہے، مکمل ہونے کے بعد دسمبر ۱۹۵۸ء اور جنوری ۱۹۵۹ء میں چند ہفتوں رفیق کار کے شہر روبے میں قیام کرکے اسے آخری شکل دے کر ناشر کے سپرد کر دیا۔ اس طرح اکتوبر ۱۹۵۹ء میں طباعت اور جلد بندی کے بعد یکم نومبر ۱۹۵۹ء کو شائقین قرآن کے ہاتھوں میں آ گیا۔ اس اہم اور عظیم الشان ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں توریت، زبور اور انجیل کے حوالے ہیں یا ان کتابوں میں قرآنی قصص ہیں ان کے مکمل حوالے اس ترجمہ میں دیئے گئے ہیں جو: '' وَاِنَّهٗ لَفِي زُبُرِ الْاَوَّلِيْن '' کے پیش نظر حضرت ادریس علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام تک کے اقوال پارسی اور ہندو کتب مقدسہ کے مکمل حوالوں کے دینے کا اس میں اہتمام کیا گیا ہے اس کے بہت سی قرآنیات سے متعلقہ چیزوں کے نقل کرنے کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے۔ (۸)

اس ترجمے کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ابتداء میں ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے تا کہ قرآنیات سے متعلقہ اہم مباحث کو اس میں ذکر کر دیا جائے تا کہ فرانسیسی مسلمان اور دیگر غیر اہل ایمان ترجمہ قرآن کے مطالعہ سے قبل ضروری متعلقات سے آگاہ ہو سکیں۔ چونکہ یہ کام تبلیغ اسلام اور اشاعت تعلیمات قرآن کریم کی غرض سے کیا گیا ہے اس لیے ایسے مقدمہ کا شامل کیا جانا واجب تھا۔ مقدمہ میں درج ذیل موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن کا مؤلف، الہام ربانی کا مفہوم، مختلف ملتوں میں نزول وحی کی کیفیت، قرآن وحدیث کا فرق، قرآن کا اسلوب بیان اور اس کا مقصد، مندرجات قرآنی، قرآن کریم میں یہودیوں سے زیادہ خطاب کیوں ہے، قرآنی تصور حیات اور اقسام احکام، عورت کا ذکر قرآن میں، غلامی اور قرآن، سیرتِ نبویہ قرآن کی روشنی میں، اس سے قرآنی اشاروں کا تاریخی پس منظر سمجھ میں آتا ہے۔ تدوین قرآن مجید کی تاریخ، ترتیب آیات وسور۔ عربی خط اور اعراب اور دیگر علامات تحریری، قرآن کے نسل بہ نسل تحفظ کا دوہرا طریقہ یعنی تحریر وحفظ، صحتِ متن کے لیے استاذ سے سماع اور اجازت، اختلاف روایات، مسئلہ تنسیخ وتبدیل، تجوید وتلاوت، تراجم قرآنی جس کا آغاز صحابہ کرامؓ نے فرمایا۔ تاریخ مسلم مترجمین اور غیر مسلم مترجمین۔ ایک نئے فرانسیسی ترجمے کی ضرورت اور یورپی زبانوں میں تراجم قرآن کی مکمل فہرست وغیرہ پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ عام آدمی تاریخ قرآن اور خصائص قرآن سے واقف ہو جائے۔

یہ تھیں ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کی خصوصیات، اس فرانسیسی ترجمہ قرآن کو یورپ، امریکہ افریقہ اور دیگر ممالک میں زبردست پذیرائی ہوئی۔ اب تک اس ترجمہ کے بیس ایڈیشن منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

گذشتہ ایڈیشن کی تعداد بیس لاکھ تھی۔(۹)

یہ بات آ چکی ہے کہ اس ترجمہ قرآن کے پیچھے جہاں ایک معیاری ترجمہ قرآن کا پیش کرنا تھا۔ وہیں اس کا ایک مقصد اشاعت اسلام بھی تھا یہی وجہ ہے کہ ایک بڑی تعداد اس ترجمہ قرآن کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔(۱۰) ڈاکٹر صاحب کی زندگی ہی میں ان کے ترجمہ قرآن کی مقبولیت بام عروج پر تھی انہوں نے خود اس کی عکاسی درج ذیل لفظوں میں کی ہے۔

> ''خدا کی ششدر کر دینے والی عنایت ہے۔ پندرہواں ایڈیشن اس وقت مطبع میں ہے پروف دیکھ چکا ہوں سابق میں کچھ نہیں تو دو ڈھائی لاکھ نسخوں کی نکاسی ہو چکی ہے اور مانگ کی کثرت سے اس دفعہ نیا ایڈیشن ناشر ایک لاکھ کی تعداد میں چھاپ رہا ہے۔''(۱۱)

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد بیشمار مقالات میں آپ کی سادگی، انکساری اور تقویٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کی للّٰھیت کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے مسجد نبویؐ کے شیخ القراء کو پورا قرآن مجید سنایا۔ جس پر انہیں ایک سند عطا کی گئی۔ جس میں نسلاً بعد نسل سارے اساتذہ کا ذکر ہے۔ آخری مرحلے میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابیّ بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم پانچ صحابیوں سے سننے کا ذکر ہے اور اس سے اوپر رسول اکرم ﷺ آتے ہیں۔ ایک ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب نے اس سند کو شامل کیا ہے۔ یہ چیز قرآنیات سے ان کے والہانہ لگاؤ کا پتہ دیتی ہے۔(۱۲) اس وقت میرے سامنے ڈاکٹر صاحب کا وہ فرانسیسی ترجمہ قرآن ہے جسے ''مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف'' نے شائع کیا ہے لیکن افسوس کہ اس میں ساٹھ صفحے کا مقدمہ شامل نہیں کیا گیا ہے جس سے اس ترجمے کا بڑا مقصد فوت ہو رہا ہے۔ یہاں پر سورۃ فاتحہ کا ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ کسی فرانسیسی داں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہو۔

پروفیسر عبدالرحمان مومن نے ڈاکٹر صاحب کے متعلق بتایا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ دنیا کے واحد شخص ہیں جنہوں نے تین زبانوں جرمن، فرانسیسی اور انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا ہے(۱۳) میں نے اب تک جتنی تحریریں ڈاکٹر صاحب پر دیکھی ہیں ان میں جرمن اور انگریزی ترجموں کا ذکر نہیں ملتا۔

❷ القرآن فی کل لسان

یہ دراصل ببلیوگرافی ہے جس میں دنیا کی مختلف زبانوں میں پائے جانے والے تراجم قرآن کے حوالے دیئے گئے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب کا خود تعارف کرایا ہے، کتاب پڑھنے سے قبل اس اہم پہلو کا ذکر بھی ضروری سمجھا کہ ہر دور میں ہر زبان میں قرآن کریم کے تراجم کی ضرورت محسوس ہوئی، جس طرح اس کی ضرورت عجمی مسلمانوں کی تھی اس طرح غیر مسلم قوموں کو بھی کسی کو تحقیق کے لیے، کسی کو قرآن پر اعتراضات کے لیے، ترجمہ قرآن کا آغاز عہد نبویؐ سے ہو چکا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے چند نو مسلم ایرانیوں کے لیے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں پیش کیا تھا۔ اس فارسی ترجمے کا پہلا جملہ تھا: ''بنام خداوند بخشایندۂ مہربان''۔

تراجم قرآن کی فہرست سازی کی جانب سب سے پہلے فرنگیوں نے توجہ دی اس سلسلے میں وکتور شووین (Victur Chauvin) کا نام سرخیل کے مانند ہے۔ جس نے ''ان کتابوں کی فہرست جو عربی میں یا عربوں سے متعلق ۱۸۱۰ء سے ۱۸۵۰ء تک عیسائی یورپ میں چھپیں'' کے عنوان سے کتابیات تیار کی، اس کی دسویں جلد قرآن و حدیث سے متعلق ہے، اس میں قرآن کریم سے متعلق خاصہ مواد ہے۔ اس کے علاوہ ''مسلم ورلڈ'' نے اسی موضوع پر ایک طویل مقالہ شائع کیا، اور غالبًا اسی کو بعد میں جرجی زیدان نے اپنے رسالے ''الہلال'' میں شائع کیا ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ کاموں کے متعلق بتایا کہ ان میں بہت سے نقائص موجود ہیں۔ اسی لیے اسے ایک معیاری صورت میں پیش کرنے کو ٹھان لی۔ تراجم قرآن کی ایک جامع کتابیات پیش کرنے کا خاکہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں اس وقت آیا جب انجیل پر تیار کردہ کتابیات "Gospel in many Tongues" ان کی نظر سے گذری، جو سات سو زبانوں پر مشتمل ہے، اسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو حد درجہ قلق ہوا کہ ہم نے اب تک قرآن کریم کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان حسابات سے دوچار تھے ہی کہ ابو محمد مصلح صاحب نے حیدر آباد میں ''عالمگیر تحریک قرآن مجید'' کے عنوان سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ دنیا میں موجودہ مختلف تراجم قرآن کو شائع کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب اس تحریک سے وابستہ ہوکر ''القرآن فی کل لسان'' کی ترتیب میں مصروف ہو گئے، چنانچہ ۱۹۴۵ء میں اسی انجمن نے ''القرآن فی کل لسان'' جو کہ ۲۳ زبانوں پر مشتمل تھی شائع کی۔ جس میں

مترجمین اور تراجم کی فہرست کے علاوہ بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہر زبان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اسے اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ۱۹۴۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا جو ۴۳ زبانوں پر مشتمل تھا۔ پھر مانگ کی کثرت سے ۱۹۴۷ء میں تیسرا ایڈیشن بھی نکلا جس میں ۶۷ زبانوں کے ترجموں کی تفصیل بیان کی گئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو حیدرآباد سے ملک بدر ہونا پڑا اور کسی نئے ایڈیشن کے منظر عام پر آنے کا موقع نہ ملا، لیکن ڈاکٹر صاحب مستقل نئے تراجم کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ ۱۹۸۸ء تک ڈیڑھ سو مختلف زبانوں کے تراجم قرآن مجید آپ کے پاس موجود تھے جن میں سے اسی (۸۰) تراجم قرآن کامل تھے۔ بقیہ جزئی۔

کتابیاتِ قرآن کو منظر عام پر نہ لائے جاسکنے کے سبب ۱۹۶۰ء میں اسے بالاقساط ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی زبان کے رسالہ ''افکارِ شیعہ'' میں شائع کرنا شروع کیا۔ لیکن ۱۹۶۲ء میں جب یہ بند ہوگیا تو ۱۹۶۷ء میں ایک تونسی مسلم نے فرانسیسی زبان میں ''فرانس اسلام'' کے نام سے ایک مجلّے کا آغاز کیا۔ جس میں کتابیات کی کچھ چیزیں شائع کی گئیں لیکن مالی وسائل کے سبب یہ بھی بند ہوگیا دوبارہ ''بینش اسلام'' کے نام سے منظر عام پر آیا لیکن ۱۹۸۳ء میں دوبارہ بند ہوگیا۔ اس طرح یہ کام تشنۂ تکمیل رہا۔ اسی سلسلے کو ترکی کے ادارۂ ریسرچ سنٹر فار اسلامک ہسٹری، آرٹ اینڈ کلچر نے آگے بڑھاتے ہوئے:

"World Biblography of Translation of Meanings of the Holy Quran" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس میں ۱۵۱۵ء سے ۱۹۸۰ء تک کے مختلف زبانوں کے شائع شدہ تراجم شامل ہیں۔ (۱۵) اسی سلسلے کی ایک خدمت ڈاکٹر صاحب نے یہ انجام دی کہ فارسی اور ترکی تراجم قرآن کی آپ نے ایک فہرست تیار کی اسی طرح اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن میں آپ نے یورپی زبانوں کے تراجم قرآن کریم کی مکمل فہرست شامل کی جو اٹھائیس زبانوں کے مواد پر ترتیب دی گئی تھی اور ۱۹۸۸ء کا ایڈیشن چھیالیس زبانوں پر مشتمل ہے۔ (۱۶)

مذکورہ سطور سے یہ شہادت ملتی ہے کہ اپنے تمام کاموں کے ساتھ ساتھ زندگی بھر ڈاکٹر صاحب کو مختلف زبانوں کے تراجم قرآن کے جمع کرنے کا غیر معمولی حد تک شوق تھا۔ کاش کہ یہ سب کام کتابی صورت میں اہل علم وفہم کے سامنے آتے اور دنیا اس عظیم قرآنی خدمت سے مستفیض ہوتی۔

مختلف اہل علم ودانش کے قلم سے اس کی تصدیق وتوثیق ہوچکی ہے کہ ڈاکٹر صاحب اسلامی مصادر ومراجع،

تراجم قرآن اور مسودات سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی معلومات ہی کے سبب انہوں نے ترکی کو مسودات کا دارالخلافہ قرار دیا جس کا اعتراف عربی زبان وادب کے مشہور عالم پروفیسر عبدالعزیز میمن نے بھی کیا ہے۔(۱۷) اپنی انہی معلومات کے سبب جب انہوں نے ڈاکٹر احمد خان کی کتاب ''قرآن کریم کے اردو تراجم'' (۱۸) پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں بہت سے نقائص ہیں کیونکہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تالیف ''القرآن فی کل لسان'' کو پیش نظر نہیں رکھا جس کی وجہ سے بہت سے اردو تراجم تک ڈاکٹر احمد خان کی رسائی نہ ہوسکی اسی طرح اس کتاب کی ترتیب میں امریکہ کی نیشنل یونین کیٹلاگ سے استفادہ نہ کیا جا سکا جو کئی سو جلدوں پر مشتمل ہے۔خود پاکستان سے قاضی زاہد الحسینی کی شائع شدہ مشہور کتاب ''تذکرۃ المفسرین'' کا بھی یہاں پتہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اشاریہ، کے تعلق سے کئی مشورے دیئے ہیں، چونکہ اشاریہ سازی کے جدید اصولوں سے آپ پوری طرح واقف تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ چیزوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد کتاب کو خوش آمدید بھی کہا ہے اور اسے اپنے موضوع پر حرف آخر قرار دیا ہے۔(۱۹)

❸ خطباتِ بہاولپور میں قرآنی آیات سے استدلال

ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں ''خطباتِ بہاولپور'' کو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی۔ یہ کتاب آپ کے وسعت مطالعہ اور دقتِ نظر پر دال ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ زندگی بھر کے مطالعہ کا نچوڑ ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ اس کتاب کی ایک ایک سطر آپ کے محقق اور مبلغ ہونے پر شاہد ہے، ''خطباتِ بہاولپور'' میں اسلامی تاریخ، ملت اسلامیہ کے امتیازات اور دین اسلام کے اہم کارناموں کو سمیٹنے کی لائق صد تحسین کوشش کی گئی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اسلامیات کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کاوش ہے تو شاید غلط نہ ہو، ان خطبات سے نئی نئی دریافتیں منظر عام پر آئی ہیں تو بہت سے حجابات کو ہٹا کر حقائق منظر عام پر لائے گئے ہیں، یہاں پر خطباتِ بہاولپور کے کچھ ان مباحث کو سمیٹنے کی کوشش کی جائے گی۔ جہاں ڈاکٹر صاحب نے دورانِ گفتگو قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔ خطبات میں جگہ جگہ قرآنی موضوعات پر بحث ہے اور مختلف مقامات پر آیات کریمہ سے استدلال ہے۔ آپ نے قرآن کریم کی حکمتوں اور باریکیوں کو قارئین کے سامنے پیش کرنے میں مہارت تامہ کا ثبوت دیا ہے پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے

14301

آپ کی قرآنیات سے وابستگی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''پچھلے دنوں آپ نے گورمکھی میں ترجمہ قرآن کی تلاش کے سلسلے میں لکھا تھا کہ اگر خریدنا ناممکن نہ ہو تو اس کے فوٹو اور مائیکروفلم بھی کافی ہوں گے اور سارے مصارف پیشگی ادا کرنے کو حاضر ہوں۔''(۲۰)

خطبات میں حفاظتِ قرآن پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔اس کی حفاظت کا ایک سب سے اہم گوشہ یہ ہے کہ اس کی زبان غیر متبدل ہے۔اس کے برعکس دنیا کی دیگر زبانیں ہر دو تین سو سال میں اپنے اندر اس قدر تبدیلیاں سمیٹ لیتی ہیں کہ اہل زبان کو ان کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے قرآن کریم کا نزول اس زبان میں اس لیے ہوا کہ ہر عہد میں تعلیمات قرآن کا سمجھنا آسان ہو،قرآن کریم کو عصر حاضر میں بالکل اسی طرح سمجھا جاتا ہے جس طرح کہ عہدِ نبوت میں (۲۱)

حفاظتِ قرآن کریم پر گفتگو کرتے ہوئے یہ مسئلہ بھی ڈاکٹر صاحب نے اٹھایا کہ نزول قرآن کی ابتداء ہی سے قرآن کریم کے یاد کرنے اور لکھنے کا کام شروع ہو گیا تھا۔کیونکہ صحابہ کرام اپنی نمازوں میں قرآن کریم کی آیتوں کا اعادہ کرتے تھے۔یہ فطری امر ہے کہ انسان لکھی ہوئی چیزوں ہی کو یاد کرتا ہے۔چنانچہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کرام میں سے کسی ایسے صحابی کو طلب کرتے جسے لکھنا پڑھنا آتا ہو،لکھوانے کے بعد پڑھنے کا حکم دیتے ،تاکہ کوئی غلطی ہو تو اس کی اصلاح ہو سکے۔اسی طرح لکھوانے کے بعد آپ ﷺ صحابہ کرام کو ازبر کرنے اور روزانہ نماز میں دو وقت اعادہ کرنے کا حکم صادر فرماتے۔اس وقت دو نمازیں تھیں۔معراج کے بعد پانچ نمازیں ہوئیں تو پانچ مرتبہ صحابہ کرام دہرانے لگے(۲۲)قرآن مجید کی حفاظت کی جانب ایک اہم قدیم یہ بھی اٹھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہر صحابی کو کسی مستند استاذ ہی سے قرآن مجید پڑھنا چاہیے تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے اس وقت کے سب سے عظیم استاذ ،اللہ کے رسول تھے،اس لیے قرآن کریم رسول اللہ سے پڑھا جاتا اور تحریری آیات آپ ﷺ کو سنائی جاتیں تاکہ غلطیاں دور ہو جائیں اور حفظ میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو آپ ﷺ نے قرآن مجید پڑھانے کے لیے چند ایسے صحابہ کرام کو متعین کیا جن کی قرآن دانی پر آپ ﷺ کو کامل اعتماد تھا۔گویا آپ ﷺ کی جانب سے سند کی وصولیابی کے بعد ہی یہ صحابہ کرامؓ تدریس قرآن کی ذمہ داری کو انجام دیتے۔(۲۳)

مصحفِ عثمانؓ

تاریخ قرآن مجید میں مصحفِ عثمان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ڈاکٹر صاحب نے دو صفحے میں مصحفِ عثمان کی سرگزشت کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ: تیمور لنگ کو دمشق کی فتح میں سب سے قیمتی مالِ غنیمت مصحفِ عثمان ملا، جسے سمرقند میں لاکر محفوظ کرلیا،لیکن جب روسیوں نے سمرقند کو فتح کیا تو روسی کمانڈر انچیف اسے سینٹ پیٹرس برگ (لینن گراڈ) لے کر چلا گیا،روسی مورخین کا خیال ہے کہ یہ یہاں خرید کر لایا گیا نہ کہ چُرا کر،زار کی حکومت کے اختتام کے بعد جب کمیونسٹوں کا روس کی حکومت پر قبضہ ہوا تو ایک مسلم جنرل علی اکبر توپچی کی کوششوں سے وہ ترکستان آ گیا جو اب تک تاشقند میں محفوظ ہے،زار کے عہد میں مصحف عثانی کا فوٹو لے کر ایک گز کی لمبی تقطیع پر پچاس نسخے چھاپے گئے تھے،اس کے چند نسخے ڈاکٹر صاحب کے نہ صرف علم میں ہیں بلکہ ایک نسخہ دیکھا بھی ہے جو کابل میں موجود ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت ''فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰه '' پر سرخ دھبے موجود ہیں۔اس کے علاوہ اس کے نسخے امریکہ،انگلینڈ اور مصر میں موجود ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے اس کی مائیکروفلم بھی اپنے لیے تیار کرائی تھی۔(۲۴)

خطبات میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے حروف مقطعات پر بھی گفتگو کی ہے اور بتایا کہ کم از کم اس سلسلے میں ستّر آراء پائی جاتی ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس کی تشریح فرما دیتے تو آج مفسرین طرح طرح کے خیالات صادر نہ کرتے۔(۲۵) ڈاکٹر صاحب کے اس خیال پر یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس کی وضاحت اور تشریح کی حاجت نہیں تھی، کیونکہ یہ چیز عربوں کے ذوق کے مطابق تھی یہ کوئی اجنبی شے نہیں تھی، کیونکہ قرآن کریم پر کفار و مشرکین نے سینکڑوں اعتراضات کیے ہیں لیکن حروف مقطعات کے سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔کیونکہ یہ چیز ان کے کلام وخطبات میں موجود تھی۔مولانا فراہیؒ (۱۹۳۰ء۔۱۸۶۳ء) کا خیال ہے کہ حروف مقطعات انگریزی اور ہندی حروف کی طرح صرف آواز ہی نہیں بتاتے بلکہ یہ چینی زبان کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلالت کرتے ہیں اور انہی کی صورت و ہیئت پر لکھے جاتے ہیں۔یہی حروف قدیم مصریوں نے اخذ کر کے اپنے تصورات کے مطابق ان میں ترمیم واصلاح کر کے ان کو اس خطِ تمثالی کی شکل دی جس کے آثار اہرام مصر کے کتبات میں موجود ہیں۔ان حروف کے معانی کا علم اب ختم ہو چکا ہے لیکن اب بھی بعض حروف کے معانی معلوم ہیں۔مثلاً الف گائے کے معنی میں ہے۔ب کا مفہوم ''بیت'' (گھر) ہے۔ج ''جمل'' (اونٹ) کے معنی میں ہے۔اسی طرح ط

''سانپ'' کے معنی میں اور ''نون'' (مچھلی) کے معنی میں آتے ہیں۔ اس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ طٰہٰ میں موسیٰ علیہ السلام کی لٹھیا کے سانپ بن جانے کا ذکر ہے۔ یہی حال ''طٰسٓمٓ'' اور ''طٰسٓ'' کا بھی ہے۔ ان سورتوں میں بھی سانپ کا ذکر ہے۔ سورۃ نون میں صاحب الحوت حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے اور سورۃ بقرہ میں گائے کا واقعہ مذکور ہے۔ (۲۶) مولانا فراہی کے اس خیال سے غور وفکر کی راہیں وا ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ یہ موسیقی کی لے اور دُھن ہے یہ ایک نامناسب رائے ہے کیونکہ اس سے کلام الٰہی کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔

تاریخ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم اور حدیث کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے سورۃ حشر کی آیت نمبر ۷ اور سورۃ نساء کی آیت نمبر ۸۰ نقل کرتے ہوئے بتایا کہ:

''قرآنی تصور میں حدیث کوئی کم درجے کی چیز نہیں بلکہ ایک لحاظ سے اس کا درجہ قرآن کے برابر ہی ہے۔'' (۲۷)

اسی طرح بادشاہ اور سفیر کی مثال دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ:

''میرا منشاء یہ ہے کہ حقیقت میں حدیث اور قرآن ایک ہی چیز ہیں، دونوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔'' (۲۸)

دونوں آیتوں کی روشنی میں یہ بات بغیر تأمل کے کہی جا سکتی ہے کہ اطاعتِ رسول اطاعت خداوندی سے مربوط ہے، کیونکہ آپ ﷺ قرآن کریم کے حقیقی شارح ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد قرآن کریم کی تبیین تھی۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی قرآن کریم کی سچی تصویر تھی۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ احادیث قرآن حکیم کے مثل ہیں۔ خود آپ ﷺ نے بھی ہمیشہ قرآن کو اولیت دی ہے، اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ:

''میں تمہارے لیے قرآن کریم چھوڑے جا تا ہوں اگر تم سبھوں نے اسے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے ہو اور قرآن کریم اور حدیث میں امتیازی فرق کو بیان کرنے کے لیے دو چیزوں کی جانب اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی

تلاوت کا حکم دیا ہے لیکن قرآن کریم میں حدیث کی تلاوت کا حکم موجود نہیں ہے۔اسی طرح حفاظت قرآن کی ذمہ داری اللہ پر ہے اور حفاظت حدیث کی ذمہ داری اللہ کے بندوں پر ہے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم بغیر کسی تغیر وتبدل کے لفظاً ومعنیً ہمارے سامنے موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا لیکن احادیث معنیً موجود ہیں اور اس معنوی روایت کے راوی حضرات بھی مختلف النوع اخلاق وکردار کے حامل تھے۔''

انہی خیالات کا اظہار آگے چل کر خود ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا ہے بہر کیف کبھی بھی قرآن کریم اور احادیث کو ایک میزان میں نہیں رکھا جا سکتا یہی بات ڈاکٹر صاحب نے خود بھی کہی ہے کہ:

''غرض مختلف وجوہ سے رسول اللہ ﷺ کے بعد حدیث یعنی رسول اللہ ﷺ کے کلام کا دوسروں تک ابلاغ اتنا یقینی نہیں رہتا جتنا قرآن کا یقینی ہے۔''(۲۹)

تدوین قرآن

خطبات میں دو جگہوں پر تدوین قرآن پر گفتگو کی گئی ہے یہ گفتگو تدوین قرآن کے باب میں شکوک وشبہات کا باعث بنتی ہے۔ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگرانی میں مدون کرایا اور اس کے تحفظ کے لیے وہ تدبیریں اختیار کیں جو اس سے پہلے کسی پیغمبر نے نہیں کی تھیں یا کم از کم تاریخ میں اس کی نظیر ہمیں نہیں ملتی۔''(۳۰)

اسی طرح دوسری جگہ حدیث قدسی سے متعلق جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہی اصل جواب ہے کیونکہ ضرورت نہیں تھی کہ قرآن کریم کو ایک لامحدود کتاب بنایا جائے، بہتر یہی تھا کہ قرآن مجید مختصر ہو، ساری ضرورت کی چیزیں اس کے اندر ہوں، اور وقتاً فوقتاً اس پر زور دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ

> اور چیزیں بیان کریں جو حدیث میں بھی آئی ہیں اور حدیث قدسی میں بھی، اس سے ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کو قرآن میں شامل کرنے کی ضرورت رسول اللہ ﷺ نے محسوس نہیں فرمائی۔" (۳۱)

مذکورہ دونوں اقتباس سے یہی نقطۂ نظر سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم کی تدوین اللہ کے رسول نے فرمائی ہے اور کلام الٰہی کو ایک مختصر اور جامع انداز میں مدون کیا ہے۔ یہ یکسر غیر اسلامی نظریہ ہے جس طرح قرآن کریم کلام ربانی ہے، اسی طرح اس کی ترتیب و تدوین بھی من جانب اللہ ہے۔ اسی کو قرآنی اصطلاح میں "ترتیبِ توقیفی" کہا جاتا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو بتایا جاتا تھا کہ اس آیت کو یہاں اس آیت کو وہاں رکھ دیا جائے جس طرح یہ کتاب ہدایت منزل من اللہ ہے اسی طرح مرتب من اللہ بھی ہے جیسا کہ نظریہ نظم قرآن سے یہ چیز ظاہر و باہر ہے، تدوین قرآن کے مباحث پر عبداللطیف رحمانی نے بڑی جامع بحث کی ہے۔ (۳۲)

سورۃ قیامہ کی آیت "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْآنَهٗ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑی قیمتی بات کہی ہے:

> "لفظ جمع یہاں ایک جامع لفظ ہے۔ اس سے مراد اس کو نبی ﷺ کے سینہ میں محفوظ کرنا بھی ہے اور ان منتشر موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا بھی۔ چنانچہ نبی ﷺ کی طرف سے برابر رہنمائی حاصل ہوتی رہی کہ مختلف مواقع پر نازل ہونے والی آیات کو الگ سورتوں میں کس ترتیب سے آپؐ جمع فرمائیں۔ چنانچہ اسی رہنمائی کی روشنی میں آپ ﷺ نے الگ الگ سورتوں میں ان کے مواقع کی تعیین کے ساتھ جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جمع کرنے والوں نے آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کی۔" (۳۳)

تاریخ فقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ دیگر پیغمبروں پر نازل ہونے والے احکام بھی ہمارے لیے اسی طرح واجب التعمیل اور قابل تعظیم ہیں جس طرح کہ سرور کائنات ﷺ پر نازل ہونے والے احکام ہمارے لیے وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں آیا:

''أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه'' (الانعام ۶:۹۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، اس لیے (اے محمد) آپ ﷺ بھی ان کی پیروی کریں۔''

اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِهٖ''(البقرہ:۲/۲۸۵)

''ہم رسولوں میں تفریق کے قائل نہیں ہیں۔''

مذکورہ دونوں آیتوں کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دیگر تمام پیغمبروں اور خاتم المرسلین ﷺ پر نازل ہونے والے احکام میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن پرانے قانون کے باب میں اگر کوئی جدید رہنمائی ہے تو جدید قانون قابل عمل ہوگا پچھلے انبیاء ورسل کے قوانین پر عمل کے لیے یہ شرط بھی ہوگی کہ وہ قابل اعتبار طریق سے ہم تک پہنچیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہ صراحت کردی ہے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے۔(۳۴)

غلامی اور قرآن

ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبات میں مسئلہ غلامی کو بھی اٹھایا اور یہ واضح کیا کہ توریت اور انجیل میں غلام بنانے کا ذکر تو ہے لیکن انہیں آزاد کرنے کا کوئی ذکر نہیں جب کہ قرآن کریم میں غلاموں کے آزاد کرانے کے لیے مختلف آیات میں زور دیا گیا ہے قرآن کریم میں غلاموں کی آزادی کو کارثواب قرار دیا گیا ہے۔''ظہار'' نامی طلاق اور غلطی سے کسی کو قتل کردینے کی پاداش میں غلاموں کو آزاد کرانے کا حکم دیا گیا ہے، سرکاری آمدنی کی ایک مد یہ بھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے اسے صرف کیا جائے۔ اسی طرح قرآن کریم میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ اگر غلام اپنے روپیوں کو دے کر آقا سے نجات حاصل کرنا چاہے تو آقا کو لازمی طور سے اسے رہا کرنا ہوگا''فی الرقاب'' کے سلسلے میں تمام مفسرین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم اور غیر مسلم غلاموں کی رہائی کے لیے سرکاری رقم خرچ کی جائے۔(۳۵)

بادشاہت اور قرآن

قرآن کریم میں بادشاہت کو شیٔ مذموم قرار دیا گیا ہے اور شیٔ محبوب بھی، بادشاہت اگر قوانین الٰہی کے مطابق ہے تو وہ عندالاسلام قابل قبول ہے۔ بادشاہت اگر خواہشاتِ نفس کی پیروی اور اقربا پروری ہے تو وہ قابل تنقید ہے۔فرعون اور نمرود جیسے بادشاہوں کو ہدف ملامت قرار دیا گیا اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جیسے پیغمبروں کو بادشاہ کا لقب دے کر مکرم ومحترم گردانا گیا۔اس تناظر میں بادشاہت کو حرام کے زمرے میں نہیں ڈالا جاسکتا البتہ بلقیس کے حوالے سے جو قرآن کریم میں ذکر ہے:

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا (النمل ۲۸: ۳٤)

''بے شک یہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں۔''

تو اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ ایسا صرف بلقیس کے طرز عمل کو دیکھ کر فرمایا گیا، اس سے زیادہ اس کی اور کچھ اہمیت نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ بادشاہت اگر ظلم وتعدی سے پاک ہے تو وہ اختیار کے لائق ہے اور اگر وہ قتل وغارت گری پر مبنی ہے تو اس سے گریز کیا جائے، ہمارے سرور کونین ﷺ نبی ہی نہیں بلکہ بادشاہ بھی تھے(۳٦)

4 ام القریٰ

''ام القریٰ'' کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی مناسب بات کہی ہے پایۂ تخت کے لیے انگریزی میں Metraplis کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ دراصل یونانی لفظ ہے جس کے لفظی معنی ''شہروں کی ماں'' ہے۔اس مفہوم میں قرآن کریم نے ''ام القریٰ'' کو استعمال کیا ہے۔شہر مکہ ''ام القریٰ'' ہی کے نام سے مشہور ہے۔ گویا اللہ کی سلطنت کا وہ صدر مقام ہے جب ایک میٹروپولس یا ام القری ہو تو وہاں بادشاہ کا محل بھی ہوگا۔ چنانچہ بیت اللہ الحرام، اللہ کا مکان یا اللہ کا گھر وہاں موجود ہے۔ گویا کعبہ جو بیت الحرام ہے۔ یہ اس بادشاہ کا محل ہے کسی ملک میں بادشاہ ہو تو یہ ہمیشہ سے رواج رہا ہے رعایا کے نمائندے پایۂ تخت کو جا کر بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اپنی اطاعت کا یقین دلاتے ہیں۔ حج کے سلسلے میں جب لوگ مکہ معظّمہ جاتے اور وہ کعبہ کے سامنے حاضر ہوتے تو وہ حجر اسود پر اپنا

باز ور کھتے ہیں اور حجر اسود کو (اور اگر دور ہوں تو ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے ہاتھ) کو بوسہ دے کر طواف کا آغاز کرتے اور اسے جاری کرتے ہیں۔ اس کو ہمارے فقہاء دو ناموں سے یاد کرتے ہیں، اسے استسلام بھی کہتے ہیں اور بیعت بھی کہتے ہیں۔ (۳۷)

5 قرآن کریم اور گوتم بدھ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے خطبات میں بہت سے اہل علم کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح ''ذوالکفل'' کے متعلق بتایا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس سے مراد ''گوتم بدھ'' لیا ہے۔

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْن﴾ کے باب میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اس میں چار پیغمبروں کا ذکر ہے۔ زیتون سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے، طور سینین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ذہن موڑا گیا ہے اور بلد امین شہر مکہ کی اہمیت کو منظر عام پر لاتا ہے۔ اسی طرح ''التین'' سے گوتم بدھ کی جانب توجہ منعطف کرائی ہے۔ کیونکہ گوتم بدھ کے پیروکاروں کا اتفاق ہے کہ آپ کی پیدائش جنگلی انجیر کے نیچے ہوئی تھی، اسی سے مولانا گیلانی کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جہاں دنیا کے بڑے مذاہب کا ذکر ہے وہیں بدھ مت کا بھی ذکر ہے۔ قرآن کریم اس کی تفصیل میں اس لیے نہیں جاتا کیونکہ عرب اس سے واقف نہیں تھے۔ (۳۸)

مولانا فراہی نے مذکورہ چاروں چیزوں پر نہایت عالمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ بالخصوص اشعار عرب سے استدلال کے ذریعہ اپنی بات کو قابل اعتبار بنادیا ہے۔ مشہور شاعر نابغہ ذبیانی نے اپنے ایک شعر میں ''تین'' کو ایک مقام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ عربوں کے مذاق میں یہ چیز داخل تھی کہ اگر کوئی درخت کسی مقام پر کثرت سے پایا جاتا ہے تو اس کو اسی نام سے موسوم کر دیتے ہیں۔ مولانا فراہی نے ''تین'' کی اہمیت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

> ''اس سے معلوم ہوا کہ تین سے مراد یا تو کوہ جودی ہے یا اس کے قریب کا کوئی دوسرا پہاڑ تورات میں ہے کہ طوفان نوح کے بعد بنی آدم یہیں سے اِدھر اُدھر متفرق ہوئے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ جودی کے پاس پیش آیا۔'' (۳۹)

6 مفرداتِ قرآن

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے خطبات میں جگہ جگہ ''مفردات قرآن'' پر بھی روشنی ڈالی ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو قرآنیات سے کس قدر گہرا شغف تھا۔یہاں چند مثالیں خطبات سے نقل کی جائیں گی۔

لفظ ''انجیل'' کے معنی خوشخبری کے ہیں۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گاؤں میں جا کر لوگوں کو بشارت دیا کرتے تھے کہ اللہ کی حکمرانی بہت جلد آنے والی ہے۔(۴۰)

''توریت'' کے معنی قانون کے ہیں۔توریت پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔اس میں ایک حصہ قانون کے نام سے منسوب ہے۔(۴۱) ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ توریت کو عبرانی زبان میں ''نوموس'' بھی کہتے ہیں،نوموس کے معنی بھی قانون ہی کے ہیں،اسی طرح جب ورقہ بن نوفل کے سامنے آنحضور ﷺ کا واقعہ پیش کیا گیا تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ یہ چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے زیادہ مشابہ ہے۔ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہی مفہوم قرین قیاس ہے۔(۴۲)

فقہ کے لفظی معنی ''جاننا'' کے ہیں اور اصطلاحی مفہوم ''قانون'' یعنی شریعت اسلامی ہے،قرآن کریم کے تصور قانون کے متعلق یہ آیت پیش نظر رہے۔

﴿ كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِى السَّمَاءِ ﴾

''اچھی بات کی مثال اچھے درخت کی طرح ہے اس کی جڑ تو زمین میں گڑی ہوئی رہتی ہے لیکن اس کی شاخیں آسمان تک پھیل جاتی ہیں۔'' (ابراہیم:۱۴/۲۴)

قانون کی بنیاد دراصل ایک چھوٹے سے بیج کے مانند ہے،لیکن اس سے جو درخت نکلے گا وہ آسمان کی بلندیوں تک پھیل جائے گا۔اس آیت سے اسلامی شریعت کی عظمت کو سمجھا جا سکتا ہے۔(۴۳)

احسان کا لفظی مفہوم کسی چیز کو حسن عطا کرنا اور خوبصورت بنا دینا ہے،زندگی کے کسی کام کو مہذب انداز میں انجام دینا ہی دراصل احسان ہے۔اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ احکام الٰہی کو سچے دل سے قبول کرنا اور اس میں اخلاص

پیدا کرنا،صوفیاء کرام نے اسے ''سلوک وطریقت'' کا نام دیا ہے،اسی کا دوسرا نام ''تصوف'' ہے۔(۴۴)

ڈاکٹر صاحب نے احسان کو ''سلوک وطریقت'' سے تعبیر کیا ہے،سلوک وطریقت کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ایک طریقے کا ذاتی فلسفہ ہے،صوفیاء کرام نے بہت سے طریقہ عبادت ایجاد کیے جس کا حیات طیبہ اور آثار صحابہ کرام سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس لیے احسان کو سلوک وطریقت سے جوڑنا غیر مناسب فعل ہے۔ کیونکہ مختلف صوفیاء کرام کے یہاں اذکار واوراد کے مختلف طریقے رائج ہیں۔

معروف ومنکر قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحات ہیں۔معروف کے لیے قرآن کریم میں خیر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور منکر کے لیے شر کا لفظ،معروف ایسی چیز کو کہتے ہیں جو فطری لحاظ سے قابل قبول ہو،جس کا کرنا لائق تحسین ہے اور یہ وہ چیز ہے جو ہر دور اور ہر قوم کے نزدیک قابل قبول ہو۔یہی حال منکر کا ہے جو فطری لحاظ سے غیر مستحسن ہے۔اسے ہر دور میں ہر قوم نے ناپسند کیا ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کسی غیر فطری اور غیر مستحب عمل کی دعوت نہیں دیتا اور نہ ہی کسی جدید اور اجنبی چیز کو پیش کرتا ہے۔معروف اور منکر کے اعتبار سے قرآن کریم کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔(۴۵)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یقیناً قرآنیات سے متعلق متعدد مقالات سپرد قرطاس کیے ہیں اس میں دورائے نہیں کہ انہوں نے ان مقالات میں اہم قرآنی مباحث کو موضوع بحث بنایا ہوگا کاش کہ ان کے اس طرح کے مقالات کو علمی دنیا کے استفادہ کے لیے جمع کر کے،کوئی شائع کرنے کی کوئی سبیل پیدا کر دیتا تو یہ ایک عظیم قرآنی خدمت ہوتی۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک مقالہ'' قرآن مدار مغفرتِ انسان'' کے عنوان سے مجلّہ'' علوم القرآن'' میں شائع ہوا ہے جس میں توریت،زبور،انجیل،آویستا اور پران وغیرہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا گیا کہ آج اس عہد میں مذکورہ آسمانی صحیفوں کے متعلق گمان تو کیا جا سکتا ہے لیکن یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔احادیث میں حضرت آدم،حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہم السلام کے صحیفوں کا ذکر ملتا ہے۔لیکن آج اس عہد میں اعتماد کے ساتھ کچھ کہنا بڑا دشوار ہے۔اسی طرح صحف ابراہیم کا کچھ پتہ نہیں۔صرف چند آیات قرآن کریم میں درج ہیں۔

مختلف آسمانی کتب وصحیفوں میں صرف بشارت کے لیے انتظار کرنے کو کہا گیا۔لیکن اس کے برعکس

قرآن کریم کو آخری کتاب ہدایت قرار دیا گیا جو تا قیامت تمام انسانوں کے لیے مشعل رشد و ہدایت ہے۔ تیئس سالہ مدت میں جستہ جستہ یہ کتاب الٰہی نازل ہوتی رہی اور اللہ کے حکم کے مطابق آنحضورﷺ اسے ترتیب دیتے رہے اور ہر ممکن کوشش کی کہ اللہ کے اس کلام میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ کتاب اسے اس لیے کہا گیا ہے کہ اسے کتابی شکل میں پیش کیا جائے اور قرآن اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ لکھی ہوئی کتاب پڑھنے کے لیے ہے۔ قرآن کریم کی صحت برقرار رکھنے کے لیے ہجرت کے بعد رمضان میں صحابہ کرام کی موجودگی میں ایک بار آپؐ پورے قرآن کریم کو دہراتے تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے، اس وقت تصحیح کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی موجود ہوتے۔ اسی طرح وفات سے قبل رمضان میں دو بار قرآن کریم کو دہرا کر فرمایا کہ میرا فریضہ مکمل ہو گیا ہے اور میں جلد ہی وفات پانے والا ہوں۔ آگے بھی اس مقالہ میں حفاظت قرآن کریم کی صحت اور تدوین سے متعلق گفتگو کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم تمام تحریفات سے پاک ہے اور یہی کتاب تنہا بنی نوع انسان کو ظلمتوں سے نجات دلا سکتی ہے۔(۴۶)

قرآنیات سے متعلق ایک اہم مقالہ ''قرآنی تصور مملکت'' ہے(۴۷) اس میں قرآن کریم اور تاریخ اسلام کی روشنی میں اسلامی ریاست کے خدوخال پیش کیے گئے ہیں، اللہ کے رسول نے دس سال کے اندر ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا جسے دیکھ کر دنیا انگشت بدنداں رہ گئی، اس حکومت کی کامل تصویر قرآن کریم میں موجود ہے۔

تاریخ انسانی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کی آمد کے باوجود بہت عرصہ کے بعد کسی اقتدار یا سیاسی نظام کا پتہ چلتا ہے، بادشاہی کا وجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ملتا ہے، یہی بادشاہت حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں ترقی یافتہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیھم السلام کی سیرتوں سے اقتدار و اختیار کے قیام کا پتہ لگتا ہے۔ حضرت داؤد کے متعلق قرآن کریم میں واضح کیا گیا کہ وہ کس طرح فرائض اقتدار انجام دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ (ص:۳۸:۲۰)

''ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط بنا دیا، اور اسے حکمت اور فیصلہ کرنے والی زبان عطا کی۔''

اسی طرح ملکہ سبا کی حکومت کا ذکر قرآن کریم میں بڑے واضح انداز میں ملتا ہے۔ قرآن کریم میں پیغمبروں کے صحیفوں اور کتابوں کا ذکر ہے۔ صحیفہ کا مفہوم دستور العمل اور کتاب کا مفہوم حکم دینے کے ہیں۔ آگے بڑھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بیعت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ خلیفہ اصلاً مقتدر اعلیٰ کا پابند ہوتا ہے۔ وہ عبادات اور معاملات دونوں میں اپنے معبود کی اتباع کرتا ہے، دین اسلام سے قبل دین اور دنیا الگ الگ تھے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ کی طرف یہ قول انجیل میں منسوب ہے:

''قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو اور کلیسا کی کلیسا کو۔''

لیکن اللہ کے رسول محمد ﷺ دین اور دنیا کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُم وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الأَرْضِ﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں، اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں ضرور جانشین بنائے گا۔'' (النور:۲۴/۵۵)

اس مقالہ میں عدل گستری، شورائیت، قانون سازی، جہاں بانی کے قواعد، قومی دولت، اخلاق عامہ، سیاسی اصلاحات اور جانشینی جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان موضوعات کو جدید تناظر میں دیکھتے ہوئے بتایا کہ دین اسلام نے مذکورہ تمام چیزوں کے لیے ایسی ہدایات دی ہیں جو دنیائے انسانیت کے لیے رہنما اصول کی حیثیت کے حامل ہیں۔

مذکورہ سطور میں ڈاکٹر صاحب کی تمام قرآنی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآنیات سے متعلقہ ان کی بہت سی چیزیں دسترس سے باہر ہیں۔ ویسے ان سطور سے یہ چیز ضرور منظر عام پر آ گئی کہ آپ کو قرآنیات سے گہرا شغف تھا، جس کی بین مثال فرانسیسی ترجمہ قرآن ہے۔ اس کے علاوہ مستقلاً انہیں اس کی فکر دامن گیر رہی کہ اہل علم کے سامنے قرآنی خدمات اور قرآنی حقائق کو منظر عام پر لایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف زبانوں میں زندگی بھر دین اسلام کی صداقتوں کو پیش کرتے رہے اور اسی اضطراب کے پیش نظر القرآن فی کل لسان کی ترتیب و تدوین میں لگے رہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مخدوم علی مہائمی کی حیات وخدمات کے لیے ملاحظہ ہو: مخدوم علی مہائمی: حیات، آثار وافکار۔ مولانا عبدالرحمان پرواز اصلاحی، اشاعت اول۔

۲۔ اس تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مصر کے مشہور مطبع ''بولاق'' سے شائع ہوئی، نظم قرآن کی نمائندہ تفاسیر میں اس کا شمار ہے۔ دیکھیے اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، سید عبدالحئی لکھنؤ ۱۹۶۹ء، ص ۲۳۲۔۲۳۱۔

۳۔ عمری، محمد یوسف کوکن عمری، ''خانوادۂ قاضی بدرالدولہ''، دارالتصنیف مدراس ۱۹۶۳ء، ص ۱۶۱۔۱۷۹

۴۔ یہ عظیم تفسیر سات جلدوں میں ہے، جو عربی زبان میں لکھی گئی جو ملا بحرالعلوم عبدالعلی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) کے ایما پر لکھی گئی تھی۔ یہ تفسیر مجلس اشاعت العلوم حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوئی۔ اس تفسیر کی جلد اول ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی اور آخری جلد ۱۳۴۷ھ میں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المسدوسی، احمد عبداللہ، ''مملکتِ حیدرآباد ایک علمی، ادبی اور ثقافتی تذکرہ''، ناشر بہادر یار جنگ اکادمی، کراچی، ۱۹۶۷ء، جلد اول، ص ۸

۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، ص ۴۹۰

۶۔ تفسیر ''فیض الکریم'' کا پہلا حصہ میرے سامنے ہے، جو مدراس کے مطبع ''عزیزی'' سے شائع ہوا، یہ ۹۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف کا چار صفحے کا مقدمہ بھی شامل ہے۔

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ۔ معارف، اعظم گڑھ۔ جلد ۸۴، شمارہ ۲ / اگست ۱۹۵۹ء، ص ۴۵۰۔۴۶۸

۸۔ ایضاً، ص ۴۶۷۔

۹۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ، پروفیسر عبدالرحمان مومن، ماہنامہ ترجمان الاسلام، جامعہ اسلامیہ، ریوڑی تالاب بنارس جنوری تا جون ۲۰۰۳ء، شمارہ: ۵۳۔۵۴، ص ۱۶۔۱۷۔

۱۰۔ اداریہ (محقق گرامی ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ) اشتیاق احمد ظلی۔ شش ماہی، علوم القرآن، علی گڑھ، جنوری۔ جون ۲۰۰۲ء، ۱۷/۱، ص ۱۰

۱۱۔ تراجم قرآن مجید: تازہ بتازہ نو بہ نو۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۴۲/۵، ص ۳۷۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۸۴۔

۱۳۔ ترجمان اسلام، ص ۱۶۱۔ تاہم جناب مظہر ممتاز قریشی کے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے جرمن زبان میں سورہ الانعام تک ترجمہ کیا تھا بعد دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس کو مکمل نہ کر سکے، تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد رومی، وہاب، سید "سہ ماہی ارمغان" کراچی، دسمبر ۱۹۹۴ء، خط نمبر ۴، ص ۸۹

۱۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ماہنامہ معارف۔ نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۴۲/ ۵، ص ۳۸۸۔۳۸۶۔

۱۵۔ اس پر جامع تبصرہ کے لیے دیکھیے: ششماہی علوم القرآن ج ۲، شمارہ ۲، جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۱۴۰۔

۱۶۔ ماہنامہ معارف۔ نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۴۲/ ۵، ص ۳۸۸۔

۱۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مجانس المیمنی، المجمع العلمی الھندی۔

۱۸۔ ڈاکٹر احمد خان کی کتاب "قرآن کریم کے اردو تراجم" ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مشہور اہل قلم سید عبدالقدوس ہاشمی کی نظر ثانی کے بعد منظر عام پر آئی ہے (طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۷ء)۔

۱۹۔ معارف، نومبر ۱۹۸۸، ۱۴۲/ ۵، ص ۳۸۹۔۳۹۱۔

۲۰۔ خطباتِ بہاولپور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، بار اوّل، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۸۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۴۰۔۴۱۔

۲۵۔ ایضاً، وضاحت کے لیے دیکھیے: ص ۴۳۔۴۴۔

۲۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، بار اول، تاج کمپنی، ۱۹۸۹ء، ۱/ ۸۵۔۸۶۔

۲۷۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۵۷۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۵۷۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۵۸۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۵۸۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۸۸۔

۳۳۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، طبع اول، نومبر ۱۹۸۰ء فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص ۸۶۔

۳۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۱۰۱۔۱۰۲۔

۳۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص ۱۱۷۔۱۱۶۔

۳۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً ص۱۲۰۔۱۱۹۔

۳۷۔ ایضاً ص۲۱۵۔۲۱۴۔

۳۸۔ ذوالکفل کے سلسلے میں دیکھیے: اعلام القرآن۔عبدالماجد دریا آبادی، مطبع شاہی برقی پریس، لکھنؤ (بدون تاریخ)، ص۱۰۷۔

۳۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القرآن۔حمیدالدین فراہی۔دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح۔سرائے اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص۳۱۲۔۳۱۰۔

۴۰۔ خطباتِ بہاولپور، ص:۲۴۔

۴۱۔ ایضاً ص:۲۱۔

۴۲۔ ایضاً ص:۲۷۔

۴۳۔ ایضاً ص:۹۷۔۹۶۔

۴۴۔ ایضاً۔

۴۵۔ ایضاً ص۳۴۲۔

۴۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: قرآن: مدارِ مفخرت انسان۔محمد حمید اللہ، (علوم القرآن، علی گڑھ، جولائی۔دسمبر ۱۹۸۹ء، ۲/۴، ص۵۷۔۴۵۔

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ماہنامہ معارف، ج۴۸، شمارہ ۶ دسمبر ۱۹۴۱ء، ص۴۰۵۔۴۳۱